ادبی تاریخ نویسی کے اصول وضوابط

راشد قادری
ریسرچ اسکالر شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ، (یو۔پی)

Abstract:

The concept of writing literary histories is not so much old. Around three hundred years back the early history were written which were based on the principles given by the writer himself,but when there were a large number of literary histories came into the existence, the people started engaging themselves with this field of study and built up some objective principles and different methodologies to write a comprehensive history.

The article "**Adbi Tareekh Nawesi ke Asool o Zawabit**" this article presents some principles and theories of Urdu literary historiography.

☆☆☆

دانشور طبقے میں اکثر یہ مسئلہ زیر بحث رہا ہے کہ کیا اردو میں ادبی تاریخ نویسی کی کوئی صالح اور واضح روایت موجود ہے؟ اور کیا کچھ اصول وضوابط دیکھنے کو ملتے ہیں؟ ادبی تاریخ نویسی سے متعلق بہت سی کتابیں لکھی گئیں ڈاکٹر سید عامر سہیل اور نسیم عباس احمر اپنی مرتب کردہ کتاب

''ادبی تاریخ نویسی'' میں لکھتے ہیں۔''اردو میں تاریخ نویسی کے اصولوں اور تقاضوں کو بہت کم موضوع بنایا گیا ہے''۔[1] اردو میں جو ادبی تاریخیں لکھی گئیں ہیں ان کے مورخین، مولفین اور مصنفین نے اپنے دیباچے یا مقدمے لکھے ہیں ان میں ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کا ذکر غیر مربوط اور سرسری انداز لیے ہوئے ملتا ہے۔ اس مضمون میں ان چند مشترکہ اصولوں کو ایک جگہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جنہیں مختلف مورخین اور ماہرین نے ادبی تاریخ نویسی میں استعمال کیا اور ان اصولوں کو ادبی تاریخ نویسی کے لیے ضروری گردانہ۔ اس کے علاوہ اس میں بعض ان اصولوں کو بھی پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہیں جن سے واقف ہونا ایک ادبی مورخ کے لیے ضروری ہے۔

اردو ادب کی ابتدائی تاریخوں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ان میں نہ تو ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کی وضاحت ملتی ہے اور نہ ہی وہ جدید تصورات و معیارات کی مکمل تصویر پیش کرتی ہیں۔ ان میں صرف ابتدائی دور کے مختلف ادوار کی لسانی خصوصیات کا ذکر ملتا ہے۔ اس کے بعد لکھی جانے والی تاریخوں میں تحقیقی پہلو کے علاوہ تخلیقات کا تاریخی اور تہذیبی پس منظر میں مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ادب اور کلچر کے باہمی ردعمل پر بھی زور دیا گیا ہے۔ ان ادبی تاریخوں میں زیادہ تر توجہ شاعروں اور ادیبوں کی سوانحی حالات اور محاسن کلام پر صرف کی گئی ہے۔ دراصل اردو ادب کی ابتدائی شکل تذکروں میں ملتی ہے لیکن ان تذکروں میں موجود مواد کی صرف شعراء کے کلام اور ان کے مختصر سوانحی کوائف سے زیادہ اہمیت نہیں۔ ادبی تاریخ کے سلسلے میں پہلی کتاب محمد حسین آزاد کی '' آب حیات'' ہے اس کے اندرونی سرورق پر لکھا ہے: '' آب حیات'' (مشاہیر شعرائے اردو کے سوانح عمری) '' آب حیات''، محض شاعروں کی تاریخ ہے۔ کتاب کے دیباچے میں خود محمد حسین آزاد نے یہ واضح کیا کہ شعرا کے ''جو حالات ان بزرگوں کے معلوم ہیں یا مختلف تذکروں میں متفرق مذکور ہیں۔ انہیں جمع کر کے ایک جگہ لکھوں اور جہاں تک ممکن ہو اس طرح لکھوں کہ ان کی زندگی کی بولتی چالتی، پھرتی چلتی تصویریں سامنے آن کھڑی ہوں اور انہیں حیات جاوداں حاصل ہو۔''[2]

اس کے بعد رام بابو سکسینہ کی کتاب '' تاریخ ادب اردو'' اعجاز حسین کی ''مختصر تاریخ ادب اردو'' ڈاکٹر محمد صادق کی ''A History Of Urdu Literature'' ڈاکٹر انور سدید کی ''اردو ادب کی مختصر تاریخ وغیرہ ایسی کتابیں ہیں جو نصابی ضروریات کے پیش نظر لکھی گئیں ان

میں تاریخ نویسی کے اصولوں کی وضاحت نہیں ملتی۔ادبی تاریخ نویسی کے موضوع پر ایک دو کتابیں ہی دیکھنے کو ملتی ہیں ایک سعد مسعود غنی کے ایم فل کے مقالے کا ایک حصہ بعنوان ''ادبی تاریخ نویسی اور تواریخ ادب اردو'' (ایک تحقیقی جائزہ) اور دوسری سلمان احمد کی مرتب کی ہوئی ''اردو کی ادبی تاریخیں: نظری مباحث'' اس کے علاوہ اور بھی دو تین پی ایچ ڈی کے مقالے ادبی تاریخ نویسی کے اصول وضوابط سے متعلق دیکھنے کو ملتے ہیں۔ڈاکٹر گیان چند جین نے اپنی کتاب ''اردو کی ادبی تاریخیں'' میں اردو کے مشہور ادبی تاریخوں کا تجزیہ پیش کیا اور ساتھ ہی ساتھ ان میں ادبی تاریخ نویسی کے حوالے سے مختلف ادیبوں کے نظریات شامل کیے ہیں۔لیکن انہوں نے بھی اس بات کا کوئی مکمل ذکر نہیں کیا کہ ادبی تاریخ لکھنے کا فلسفہ کیا ہے،اس کے واضح نکات کیا ہیں،اور اس کی سائنسی تشکیل کس طرح کی جانی چاہیے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کی ''تاریخ ادب اردو'' ایک بڑا کارنامہ ہے جس کا شمار اردو ادب کی اہم اور مستند تاریخوں میں ہوتا ہے۔انہوں نے تاریخ کے تخلیقی امتزاج سے کلچر،فکر اور ادب کو ایک وحدت اور اکائی بنانے کی کوشش کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اردو ادب کی تاریخ کے متوازن اور جدید تصور کو پیش کیا ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنے پیش لفظ میں یہ واضح کیا کہ انہوں نے ''تاریخ ادب اردو'' کی ترتیب میں کن اصولوں کو سامنے رکھا ہے وہ لکھتے ہیں:

> ''اگر ''ادب'' زندگی کا آئینہ ہے تو ادب کی ''تاریخ'' کو بھی ایسا آئینہ ہونا چاہئے جس میں ساری زندگی کی روح کا عکس نظر آئے۔میں نے ''تاریخ ادب اردو'' کو ایسا ہی آئینہ بنانے کی کوشش کی ہے۔بنیادی طور پر تخلیقی امتزاج سے میں نے تاریخ ادب کو ایک وحدت،ایک اکائی بنانے کی کوشش کی ہے۔یہاں ادبی تاریخ کی سطح پر تحقیق،تنقید اور کلچر مل کر ایک ہو گئے ہیں۔''[۳]
>
> ''میں نے ان تمام مواحث کو بھی تاریخ کے دامن میں سمیٹنے اور صاف کرنے کی کوشش کی ہے جن پر مختلف زاویوں سے صاحبان علم وادب اظہار خیال کر چکے ہیں۔تاریخ ادب اردو میں میں نے کم وبیش ہر بات کو حوالے اور سند کے ساتھ پیش کیا ہے۔یہاں آپ کو تنقید کی صورتیں بھی ملیں گی۔تحقیقی ومعروضی بھی اور

نفسیاتی وسماجی بھی۔تہذیبی ونظریاتی بھی اورعمل وتجزیاتی بھی۔تشریحی ولسانیاتی بھی اوراخلاقی و جمالیتی بھی اوراس کی وجہ یہ ہے کہ ہرتخلیقی وتاریخی شخصیت کا مطالعہ ایک ہی معیاراورایک ہی پیمانے سے نہیں کرنا چاہیے۔تخلیقی رنگارنگی اور روایت کے تنوع کے پیش نظر،کا لطیف فرق واضح ہو سکے۔میں نے تنقیدی رائے دیتے وقت بے جاتعمیم،بے بنیادکلیوں اور ہرمصنف کے لیے یکساں الفاظ کے استعمال سے گریز کیا ہے۔'' ۴

ڈاکٹرتبسم کاشمیری نے تاریخ نویسی کے جدیدتصورات اور معیارات کوتاریخ نویسی کا حصہ قراردیاانہوں نے تاریخ کے قدیم تصورکورد کرتے ہوئے تاریخ کی تشکیل کے جدیدتصورپیش کرنے کی بات کی انہوں نے تاریخ میں شعبہ جاتی مطالعات کورد کرتے ہوئے بین الشعبہ جاتی مطالعات (Intera Disciplanry studies) کی طرف توجہ دلائی۔وہ فرانسیسی انلس دبستان،کوتاریخ نویسی کامنفرداورجدت پسند دبستان تسلیم کرتے ہیں اس لیے وہ اس دبستان سے استفادہ کاذکرکرتے نظرآتے ہیں لکھتے ہیں:

''انلس دبستان نے یہ زور دار آواز بلند کی تھی کہ تاریخ میں اب شعبہ جاتی مطالعات (Compartment Studies) کا دورگزرگیا ہے،یعنی سماجی تاریخ اب سماجی تاریخ کا نام نہیں ہے یعنی کسی خاص عہد کی سماجی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے ہم دوسرے متعلقہ علوم وفنون سے بھی مدد لیں گے،لہٰذا جب ہم کسی خاص ادبی دورکا تجزیہ کریں گےتو اپنا تجزیہ محض ادب کے شعبہ تک محدود نہیں رکھیں گے بلکہ ہم اس دور کے سماجی علوم،اقتصادیات،دیومالا سیاسی تاریخ،تہذیبی وثقافتی عوامل،فلسفہ وغیرہ کی روشنی میں اس دورکا تجزیہ مکمل کریں گے۔'' ۵

ڈاکٹرتبسم کاشمیری کے مطابق ادبی تاریخ نویسی کے لیے مورخ کی رائے ہرصورت معتدل،متوازن مگرحقائق پرمبنی ہونی چاہیے۔ادبی مورخ کے اندرتاریخی شعور،تنقیدی بصیرت، ادبی تحقیق،تخلیقی صلاحیت،ماضی شناسی،متحرک شخصیت،بے مثل تخیل اور ذہنی بصیرت جیسی خصوصیات ایک ادبی مورخ کے اندر ہونا لازمی گردانتے ہیں۔ادبی تاریخ نویسی کے ان اصولوں کی

روشنی میں انہوں نے تاریخ نویسی کے کام کو انجام دیا۔

ڈاکٹر سلیم اختر نے ادبی تاریخ نویسی سے متعلق اصول وضوابط کے کچھ اہم نکتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔تخلیقی شخصیات کا حوالہ

۲۔تخلیقات کے حوالے اور ان پر تنقید وتبصرہ

۳۔مختلف تخلیقی تجربات کی قدر و قیمت طے کرنا

۴۔ادب میں رجحانات، میلانات اور مختلف تحریکوں کا تجزیہ اور ان کا محاکمہ

۵۔تمام ادبی صورت حال اور تخلیقی شخصیات کے مطالعے کے لیے سیاسی، سماجی، اخلاقی، اقتصادی امور کو پیش نظر رکھنا۔

اس کے علاوہ ظفر الحسن لاری نے اپنے ایک مضمون بعنوان ''ادبی تاریخ کے اصول'' تحریر کیا یہ رسالہ ''ہندوستانی'' میں اپریل ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا اس پورے مضمون میں ادبی تاریخ نویسی کا کوئی خاص زاویہ دیکھنے کو نہیں ملتا ہے۔

ڈاکٹر گیان چند جین اپنی کتاب ''اردو کی ادبی تاریخیں'' کے پہلے باب ''ادبی تاریخ نگاری'' میں رابرٹ اسپلر کا مضمون ''ادبی تاریخ'' کے اہم نکات پیش کیے ہیں جو درجہ ذیل ہیں: ادبی مورخ کو ایسے سوالوں کے جواب دینا چاہیے کہ ادبی تخلیق کیسے، کب، کہاں اور کیوں وجود میں آئی اور اس کا دوسری تخلیقات، نیز انسان کی سماجی تاریخ سے کیا رشتہ ہے۔

ادبی مورخ کو دوسرے علوم میں بھی کچھ نظر رکھنی چاہیے مثلاً فلسفہ، نفسیات، مذہبی یا سیاسی تاریخ، ڈراما، لسانیات، ذرائع ابلاغ وغیرہ۔ اسے ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے لیکن انہیں اپنے اوپر حاوی نہ ہونے دینا چاہیے۔ وہ خیال رکھے کہ وہ پہلے ادبی مورخ ہے بعد کو کچھ اور۔ ادب کی تخلیق میں جو عوامل اثر انداز ہوتے ہیں، ادبی مورخ کو اپنی تاریخ نویسی میں ان پر توجہ کرنی چاہیے، وہ یہ ہیں:

۱۔افکار وتصورات مثلاً مذہبی عقائد وافکار، سوشلزم، وجودیت، مارکسیت، فرائڈ کی جنسی نفسیات وغیرہ۔

۲۔کلچر

۳۔سیاسی اور سماجی ادارے مثلاً سیاسی پارٹی، کلیسا، کلب، اسکول، کالج اور یونیورسٹی، سیمینار، مباحثے، سمپوزیم وغیرہ۔

۴۔روایت اور اساطیر۔ یہ عناصر علم بشریات (Anthropology) کی دین ہے۔

۵۔سوانح عمری، یہ ادبی تاریخ کا اہم ترین مآخذ ہے۔

اسپلر کے مطابق ادبی مورخ کا کام تاریخی تنقید کرنا ہے جو ادبی تنقید سے مختلف ہوتی ہے۔ وہ ان عوامل کی نشاندہی کرتا ہے جن کے زیر اثر تخلیق وجود میں آئی۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف ماہرین علم و ادب نے اپنے اپنے نظریات اور اصولوں کی روشنی میں تاریخ نویسی کے کام کو انجام دیا۔ یہ ایک لمبی بحث ہے جس کا ذکر یہاں مناسب نہیں اور نہ ہی ادبی تاریخوں پر اظہار خیال کا یہ موقع ہے۔ بلکہ کچھ باتیں ایسی ہیں جن کو ادبی تاریخ نویسی کے لیے مورخین ضروری سمجھتے ہیں اور جن کا ادبی تاریخ نگاری میں فقدان نظر آتا ہے۔ ادبی تاریخ نویسی ایک مشکل فن ہے جو کہ مورخ کی تاریخی بصیرت کے بغیر ممکن نہیں ادبی تاریخ نویسی میں تنقید کی اہمیت مسلم ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ادبی تاریخ نویسی میں تنقید کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ادب کے مورخ کے لیے ضرورت ہے کہ اس میں بیک وقت تاریخی شعور بھی ہو اور قوت تجزیہ بھی۔ نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت بھی ہو اور گہری تنقیدی نظر بھی۔''[۶]

تنقید کو تاریخ سے جدا نہیں کیا جا سکتا اگر تنقید تاریخ کی دست گیری نہ کرے تو تاریخ میں محض واقعات کا انبار لگ جائے۔ اہم اور غیر اہم کا فرق تنقید کے بغیر ممکن نہیں جب ہم یہ طے کرتے ہیں کہ ادبی تاریخ نویسی میں ہم کن کن شاعروں اور ادیبوں کا ذکر کریں گے تبھی ہم اپنے اندر موجود ادبی نقاد سے مدد لیتے ہیں۔ تاریخ اور تنقید دونوں کو لازم و ملزوم نہیں قرار دیا جا سکتا البتہ تنقید کے مختلف نظریات نے ادبی تاریخ نویسی کو متاثر ضرور کیا ہے۔ زیادہ تر مورخین کا ماننا ہے کہ تحقیق و تنقید دونوں تاریخ کے لیے ضروری ہیں تاریخ نویسی کے لیے مصنف کا محقق ہونے ساتھ ساتھ اسے ایک اچھا نقاد بھی ہونا چاہیے اسی نکتہ کے پیش نظر ڈاکٹر تبسم کاشمیری اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:

> ''ایک اچھی تاریخ ادب وہ شخص نہیں لکھ سکتا جو صرف محقق ہو اور نہ ہی تاریخ

ادب کی تصنیف کسی ایسے فرد کا کام ہے، جو صرف نقاد ہو اچھی تاریخ ادب صرف وہی ادیب لکھ سکتا ہے جو بیک وقت تحقیق وتنقید پر قدرت رکھتا ہو۔'' ؎

تحقیق وتنقید کے بغیر ادبی تاریخ نویسی کا تصور نہیں کیا جا سکتا ایک متوازن تاریخ نویسی کے لیے ضروری ہے کہ مورخ تحقیق وتنقید پر یکساں قدرت رکھتا ہو اگر مورخ کا کام تحقیقی اعتبار سے کمزور ہے تو وہ صحیح نتائج اخذ نہیں کر سکتا اور اگر تنقیدی اعتبار سے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا ہے تو تاریخ کی تفہیم اور اس کا حسن غیر معیاری ہوگا۔ لہٰذا ادبی تاریخ کے لیے ان دونوں کا امتزاج اور توازن ضروری ہے۔ حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

''بے لاگ اور بے باک تنقید کرنا نہ صرف تصنیف پر، بلکہ ذات مصنف پر بھی (مصنف کی حیثیت سے)، اب تک ''پل صراط'' پر گزرنے سے کم نہیں ہے۔ لیکن میں نے اس کی جسارت کی ہے۔ میں نے تصنیفوں اور مصنفوں پر اعتراضات کیے ہیں، دوسروں کے اعتراضات نقل کر کے حسب موقع ان کی تائید یا تردید کی ہے۔ میری تنقیدیں شاید تلخ وبیباک نظر آئیں، لیکن بے لاگ اور بے لوث بھی ثابت ہوں گی۔ میں نے صحیح تعریف اور جائز حمایت بھی ایسی کی ہے کہ کسی دوسرے مورخ وتذکرہ نویس نے نہیں کی۔ میرے نزدیک یہ سب ایک تاریخ وتذکرے کے ضروری اجزاء تھے، بغیر اس روشنی کے، کسی تصنیف ومصنف کے مطالعہ کا صحیح راستہ نظر نہیں آتا۔'' ۸

ادبی تاریخ، ادبی مورخ سے گہری تنقیدی بصیرت کا تقاضہ کرتی ہے کیونکہ تنقیدی شعور کی غیر موجودگی میں ادبی تاریخ واقعات کا ڈھیر بن کر رہ جاتی ہے۔ ادبی مورخ کے لیے جہاں ایک اچھا محقق اور تنقید نگار ہونا ضروری ہے وہیں اس میں تاریخی شعور اور ذہنی بلوغت بھی موجود ہونی چاہیے۔ کیونکہ ادبی مورخ کے سامنے موجود مواد کم وبیش ایک جیسا ہی ہوتا ہے لیکن ہر مورخ کی شخصیت کا عکس اس کی تحریر میں نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری، ای۔ ایچ۔ کار (E.H.Car) کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تاریخی حقائق وواقعات وغیرہ مورخ کے پاس اسی طرح موجود ہوتے ہیں

جیسے مچھلی فروش کے تختے پر مچھلی۔۔۔ ادبی مورخ تاریخ کے تختہ سے مطلوبہ حقائق فراہم کرتا ہے، گھر لے کر ان کی طباخی کرتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے تیار کر کے پیش کر دیتا ہے۔'' ۹

اس کے علاوہ ادبی تاریخ نویسی کے ضمن میں ادوار کے تعین اور اصناف ادب کی تقسیم کے حوالے سے مختلف نظریات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ادوار کی تقسیم سے حقائق کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ کئی طرح کے مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے تاریخ کی یہ ادوار بندی تاریخی تصور کو ایک مجموعی صورت میں پیش کرنے سے قاصر رہتی ہے اس لیے کہ ادوار بندی ایک خاص تصور اور نظریے کے تحت ہی پروان چڑھتی ہے۔ ادبی تاریخ میں ادوار کی تقسیم سے متعلق مختلف طرح کے سوالات سامنے آتے ہیں مثلاً ادوار کی تقسیم کیسے کی جائے، کن بنیادوں پر کی جائے اور متون کی نفسیاتی تشکیل میں کس طرح کے اثرات کارفرما تھے یہ ایسے سوالات ہیں جو نظریاتی حوالے سے مختلف ہو سکتے ہیں مگر کیا ادوار کی تقسیم کے بغیر ادبی تاریخ لکھی جا سکتی ہے؟۔ ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں:

''دوسرا سوال اردو کی تاریخ کو مختلف ادوار میں تقسیم کرنے کا ہے۔ پرانے تذکرہ نویسوں نے ادب کو قدیم، متوسط اور متاخرین کے خانوں میں بانٹ دیا۔ مگر جلد ہی اس تقسیم نے ایک نئی شکل اختیار کر لی۔ دبستان دہلی اور دبستان لکھنؤ کا ذکر ہونے لگا اور جب بیسویں صدی میں دکنیات کا ادبی ذخیرہ دریافت ہوا تو اردو ادب کو ایک دبستان مل گیا۔ انگریزوں کی آمد کے بعد اور خاص طور پر مغربی اثرات عام ہونے کے بعد تاریخ ادب کا ایک باب لکھا جانے لگا، عہد جدید۔ لیکن ان ادوار کی تقسیم کی وضاحت اور اس تقسیم کا جواز اور اس جواز کی وضاحت ضروری ہے۔'' ۱۰

ادوار بندی تاریخ نویسی کے تصور اور قوت متخیلہ کو محدود کرتی ہے جس سے قاری کے ذہن میں ایک مکمل تصویر نہیں بن پاتی کیونکہ ادوار بندی ایک مخصوص تصور اور نظریے کے تحت ہی تشکیل پاتی ہے لیکن ان تمام کے باوجود ادبی تاریخ نویسی میں ادوار بندی کا ایک عمومی رجحان ہے۔ ڈاکٹر تنویر انجم کے مطابق:

"The study of continuity and change in specific spatio-temporal contexts is what constitutes history. The phenomenon of change serves as a basis for periodization of history, whereby past is periodized, or divided into various eras/ epochs/ periods, or units of time .the purpose of periodization of past is to render history and time intelligible." 11

لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ادبی مورخین کی ایک جماعت ادوار بندی سے پیدا ہونے والے تفہیمی مسائل اور ذہنی رویوں کے پیش نظر اس عمل کو بہتر نہیں مانتے ان کے مطابق:

''ادب کو دور عہد میں تقسیم کرنا نہ صرف فنی گناہ ہے بلکہ تاریخی نقطہ نظر سے بھی صحیح نہیں ہے۔۔۔عہد اور زمانے کی تقسیم ہر حیثیت سے گمراہ کن ہے اور ادب کی نسبت غلط تاثرات پیدا کرتی ہے۔'' ۱۲

جب ہم کسی معاشرے کی تاریخ کے ادوار کی تشکیل اور ان کے درمیان فرق یا ان کی انفرادیت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ حقیقتاً انسانی شعور کی تاریخ ایک منزل سے اگلی منزل کی طرف بڑھنے کے نتیجے میں مختلف طرح کی بنیادی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں جن کی ظاہری صورتوں میں مادی سطح پر کلچر اور غیر مادی سطح پر فکری تبدیلی رونما ہوتی ہے جو انسان، کائنات اور معاشرے کے مابین رشتوں کو ایک نئی اساس فراہم کرتی ہے۔ادبی مورخ ادوار کی تقسیم ایسی ہی کسی بڑی سماجی تبدیلی کی وجہ سے کرتا ہے جس سے چیزوں کی تفہیم میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی ادوار بندی کے سلسلے میں اپنی رائے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

''میں نے ادوار کی زمانی تقسیم کے ساتھ، روایت کی تشکیل و تعمیر اور ردعمل و تبدیلی کو بنیادی طور پر سامنے رکھا ہے۔تاکہ زمانی ترتیب، روایت کا سفر اور

روح ادب بیک وقت سامنے آجائیں۔جدید ادبی تاریخ کے ادوار کی تقسیم اسی طرح ہونی چاہیے۔'' ۱۳

ادبی تاریخ میں ادوار کے تعین کا عمل کسی خاص مرحلے پر بدلتے ہوئے تناظر یا تاریخ کی تفہیم وتجزیہ کے لیے کیا جاتا ہے۔تاریخ نویسی کے عمل میں تغیرات،حوادث اور تبدیلیوں کا تعین اور ان کی تعریف ان معیارات،نظریات اور تصور کی پابند ہوتی ہے جس کے تحت تاریخ کو دیکھا اور پرکھا جاتا ہے۔ اس لیے تاریخ کے مطالعے،تفہیم اور تدریس کے لیے ادوار بندی اضافی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔

جب ہم کسی قوم کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس کے پس منظر میں اس کے قومی خصائص موجود ہوتے ہیں۔تاریخ نویسی کے دوران مختلف سماجی اداروں،سیاسی تحریکوں،معاشرتی رسم ورواج،مذہبی افکار اور ثقافتی تنظیموں اور بدلتی ہوئی جمالیاتی،ادبی اور علمی قدروں کو پیش نظر رکھ کر ان کا تفصیلی جائزہ لینے کی ضرورت ہے لہٰذا ادبی مورخین کے لیے ضروری ہے کہ وہ ادبی مظاہر کو سماجی،معاشی،سیاسی،اقتصادی اور فنی ماحول میں پیش کریں۔عبدالقادر سروری اپنی کتاب ''اردو کی ادبی تاریخ'' کے پیش لفظ میں اپنا خیال پیش کرتے ہیں:

''آئندہ ادبی تاریخ لکھنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ادبی مظاہر کو سیاسی، معاشی،سماجی اور فنی ماحول میں پیش کرنے کی کوشش کریں۔'' ۱۴

ڈاکٹر فرمان فتح پوری اسی نظریہ سے متعلق لکھتے ہیں:

''ادب کی تاریخ میں اپنے عہد کے ثقافتی وتہذیبی آثار واحوال کے ساتھ پورے ادب یعنی نثر ونظم دونوں کی جملہ اصناف اور ان کے اسالیب کو زیر بحث لانا ضروری ہے۔'' ۱۵

ڈاکٹر تبسم کاشمیری بھی اس نکتہ کی حمایت کرتے نظر آتے ہیں ان کے مطابق:

''ادبی تاریخ جتنی زیادہ تہذیبی،ثقافتی،سماجی اور فکری تاریخ کے نزدیک ہوگی وہ اسی قدر زیادہ تاریخ کے نزدیک ہوگی،وہ اسی قدر زیادہ وقیع،بصیرت افروز اور زیادہ مفاہیم ومطالب رکھتی ہوگی''۔ ۱۶

ادبی تاریخ کو بامعنی بنانے میں سب سے اہم کردار واقعات کے بیان میں تسلسل اور

ربط کا ہے جس کے ذریعہ تاریخ کی ایک کڑی دوسری کڑی سے جڑی رہتی ہے اور ایک مکمل نقشہ ہمارے ذہنوں کے سامنے آجاتا ہے جس سے واقعات کو سمجھنا آسان اور عام فہم ہو جاتا ہے لیکن جب ہم اردو ادب کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو تنظیم اور تسلسل دور دور تک نظر نہیں آتا مثلاً حضرت بابا فرید گنج شکر کے بعد حضرت امیر خسرو اور پھر آپ کے عہد سے لے کر قطب شاہی یا بہمنی دور تک لمبے لمبے وقفے دیکھنے کو ملتے ہیں اگر چہ اب اس پر کام ہونے لگا ہے۔ ادبی تاریخ نویسی میں تسلسل کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''تاریخ کا کام صرف یہ نہیں ہے کہ وہ واقعات وحقائق کا محض اندراج کر دے بلکہ ضروری ہے کہ مختلف سروں کو باہمی ربط دے کر ایک ایسی تنظیم میں لے آئے کہ یہ تصویر پڑھنے والے کے ذہن پر نقش ہو جائے اور ادب کا حقیقی، تاریخی ارتقا بھی نظروں کے سامنے آجائے۔''۱۷

ادبی تاریخ نویسی میں تسلسل سے متعلق ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی رائے یہ ہے:

''مورخ تاریخ پیدائش، سن وفات اور زندگی کے اہم واقعات کے سن فراہم کرتا ہے گویا سب سے پہلے وہ سوانحی مواد حاصل کرتا ہے پھر اس مرحلے کو طے کرنے کے بعد ادبی تاریخ کی روایت، تسلسل، رجحانات، نظریات اور ہر عہد کے ادبی ارتقاء پر غور وفکر کر کے مصنفین کے کام کا تنقیدی جائزہ لیتا ہے''۔۱۸

ادبی تاریخ نویسی میں تحریروں کے نمونوں کی بھی اپنی ایک اہمیت ہے۔ نمونوں کو شامل کرنے سے ایک تو یہ فائدہ ہوگا کہ قاری ان نمونوں کی مدد سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگا لے گا کہ مورخ کے خیالات ورجحانات کیا تھے۔ کیا وہ واقعی اس لائق ہے کہ اسے ادبی مورخ کہا جائے اس کے ساتھ ساتھ مورخ کے مزاج اور اس کی تنقیدی رویہ سے بھی واقفیت ہو جائے گی۔ دوسرا یہ فائدہ ہوگا کہ مورخ کے نمونے دینے کے لیے مصنف کی کم وبیش تمام نگارشات کا مطالعہ کرنا ہوگا تا کہ وہ ان میں سے کسی منتخب تحریر کو نمونے کے طور پر پیش کر سکے۔ اس سلسلے میں حامد حسن قادری اپنی کتاب ''داستان تاریخ اردو'' میں اپنا نظریہ اس طرح پیش کیا ہے:

''میں نے ''داستان تاریخ اردو'' میں اس کمی کو پورا کرنا چاہا ہے، تاریخ و

ارتقائے اردو کے ساتھ ہر دور کے تمام مشاہیر ادب اور بعض غیر مشہور لیکن ممتاز مصنفوں کے حالات اور ان کی تحریروں کے نمونے درج کیے ہیں، اور ان پر تبصرہ بھی کیا ہے۔''۱۹

ادبی تاریخ نویسی میں مآخذ کی اہمیت مسلم ہے اور انہیں کی بنیاد پر تحقیقی اور تنقیدی شعور سے کام لیا جاتا ہے۔ایک مورخ جب ادب کی تاریخ میں جو کچھ بیان کرتا ہے اس کے لیے وہ مآخذ پیش کرتا ہے اپنے حوالوں کے ذریعہ وہ اپنی کہی ہوئی بات کو مستند اور حقیقی بناتا ہے۔ادبی تاریخ نویسی میں تمام حقائق ،حوالے اور سند کے ساتھ پیش کرنا ہوتا ہے ثانوی مآخذات کے بجائے بنیادی مآخذات کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے داخلی و خارجی شواہد اور تنقیدی اصولوں سے کام لینا پڑتا ہے۔داخلی تنقید اور شواہد کے ذریعہ منشائے مصنف کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور ہم یہ طے کر پاتے ہیں کہ مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مطلب اور معنی کیا ہیں، بنیادی مآخذ اور سند کی غیر موجودگی میں ثانوی مآخذات میں سے جو عمدہ اور بہتر کا انتخاب ہو اس سے مدد لینا چاہیے ڈاکٹر جمیل جالبی ثانوی مآخذ سے متعلق لکھتے ہیں:

''جن مصنفوں کی تصانیف غیر مطبوعہ تھیں ان کے اقتباسات ،اپنے نقطۂ نظر یا تنقیدی وضاحت کے لیے ،اس لیے زیادہ دیے ہیں کہ یہ مخطوطات قاری کی دسترس سے باہر ہیں۔'' ۲۰

حوالے کا قابل قبول ہونا ادبی تاریخ نویسی کے لیے ضروری ہے مرزا سلیم بیگ کے مطابق:

''ادبی تاریخ کے سلسلے میں مآخذ کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو مورخین اس سلسلے میں بے حد احتیاط سے کام لیتے ہیں وہ بنیادی مآخذ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔''۲۱

ادبی تاریخ نویسی کے سلسلے میں مآخذ کے ساتھ ساتھ اسلوب کی بھی اپنی اہمیت ہے ادبی تاریخ کا اسلوب بیان کس طرح کا ہونا چاہیے اس بارے میں محققین اور مورخین کے مختلف نظریات دیکھنے کو ملتے ہیں۔بعض ناقدین کا نظریہ ہے کہ ادبی تاریخ کا اسلوب سیاسی تاریخ جیسا ہو جبکہ بعض ناقدین اور مورخین کے نزدیک اسلوب سادہ اور واضح ہو۔مورخ کے لیے ضروری ہے کہ ایسا اسلوب

اختیار کرے جس میں شگفتگی ہو، رنگین اور شاعرانہ اسلوب سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کی جائے تا کہ اسلوب کی رنگینی، اصل تاریخ کی خوبصورتی کو پھیکا نہ کردے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق:

''ایسا اسلوب جو آئینے کی طرح صاف وشفاف ہو، رواں وشگفتہ ہو اور عام بول چال کی زبان سے قریب ہوتے ہوئے بھی ''ادبی'' ہو۔'' ۲۲

پروفیسر اختر وقار عظیم لکھتے ہیں:

''تاریخ نویسی کا فن مورخ کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ وہ غیر ضروری باتوں اور فروعات میں پڑ کر اپنے مرکز خیال کو چھوڑ دے۔ نہ اسے زبان وبیان کے بکھیڑوں میں پڑنے کی اجازت ہوتی ہے اور نہ پہیلیاں بجھوانے کی۔ بلکہ اس کا فرض محض یہ ہوتا ہے کہ سیدھی سادھی زبان میں ہر واقعے کو بلا کم وکاست اس کی اصل شکل میں بیان کردے۔'' ۲۳

مورخ کو نہایت احتیاط اور تنقیدی بصیرت کو بروئے کار لا کر ایسا اسلوب اختیار کرنا چاہیے جو تحقیقی اصولوں کے خلاف نہ ہو واضح اور دلچسپ ہو جس سے قاری کو اجنبیت کا احساس نہ ہو بلکہ قاری اور مصنف کے درمیان ایک ربط بنا رہے۔ مورخ کو مشکل الفاظ سے بچنا چاہیے اور اسے آسان الفاظ میں اپنی باتوں کو پیش کرنے کا ہنر آتا ہو۔ پیرایہ ہی ان تاثرات اور خیالات کا آئینہ ہے جو فنکار کے ذہن میں ہے، اس لیے اسے بہت خوبصورت اور واضح ہونا چاہیے۔ ادبی تاریخ نویسی میں قوت متخیلہ کی افادیت کو کئی جدید مورخین نے تسلیم کیا ہے۔ مثلاً ایڈورڈ ٹامپسن، کارلو گنز برگ، لادوری وغیرہ ان کے مطابق ''تاریخ نویسی میں تخیل کی مدد سے تاریخ کی فکری پہلوؤں کو اجاگر کیا جا سکتا ہے اور کس طرح دستاویزات سے کئی معنی نکالے جا سکتے ہیں۔'' ۲۴ ادبی تاریخ نویسی میں قوت متخیلہ کی افادیت اور اہمیت اس لیے اور بھی زیادہ ہے کہ ادب میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کی وضاحت اور تشریح بغیر قوت متخیلہ کے انجام کو نہیں پہنچ سکتی۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''ماضی کی بازیافت کے لیے ادبی مورخ کا متخیلہ نہایت تیز ہونا چاہیے۔ اس کا متخیلہ بے جان ماضی میں روح ڈال دیتا ہے ساکن زمانوں کو متحرک کر دیتا ہے اور سوئی ہوئی مجلسوں میں روح ڈال دیتا ہے۔'' ۲۵

ادبی تاریخ نویسی میں شاعروں اور ادیبوں کے معیارات کا تعین اور ان کی درجہ بندی کس طریقہ سے کی جائے یہ بھی ایک اہم مسلہ ہے۔گم نام ادباء اور شعراء کو کس طرح سے اور کس پیمانے پر ادبی تاریخ نویسی کے مرکز سے جوڑنے میں کن اصولوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا اس مسئلہ سے متعلق ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ ادبی تاریخ صرف ان شخصیات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتی ہے جو ماضی میں رجحان سازی، عہد سازی اور اثر اندازی کے اعتبار سے قابل ذکر مقام رکھتی ہوں۔

ادبی تاریخ نویسی میں کلچر کے ساتھ ساتھ افکار کا ذکر بھی ضروری ہے۔یہ افکار سیاسی، مذہبی ،سماجی، تاریخی، فلسفیانہ اور ادبی بھی ہو سکتے ہیں۔اس وجہ سے ادبی تاریخ نویسی میں تحریکات ور جحانات پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے کلچر، سیاسیات اور تخلیقات کے بیان میں احتیاط ضروری ہے۔کلچر کے بیان میں صرف انہیں واقعات کا بیان کرنا چاہیے جن سے ادبی تاریخ متاثر ہوئی ہو اس کے علاوہ تہذیبی وثقافتی پس منظر اور ادب کے بیان میں وحدت ہونی ضروری ہے۔مورخ کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ تحریکات کا بیان کرے تو اپنے ذکر میں انہیں تحریکات کو شامل کرے جو قابل قدر ہوں، جن سے کئی ادیب وابستہ رہیں ہوں یا جن میں مشترکہ خصوصیات پائیں جاتی ہوں۔جیسے علی گڑھ تحریک، ادب لطیف، انجمن پنجاب، ترقی پسند تحریک، حلقہ ارباب ذوق، جدیدیت وغیرہ۔

ادبی مورخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ حالات اور عصری صورت حال پر بھی نظر رکھے اور ان عصری صورت حالات سے مراد ادب کو ان کڑیوں سے جوڑنا ہے جو حالات کے وطن سے پیدا ہو کر ادب کو متاثر کرتی ہیں اور ان نظریات ادب کو بھی متاثر کرتی ہیں جنہوں نے ادب میں کوئی اہم رول ادا کیا ہو۔ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> ''تاریخ ادب میں جہاں کسی دور کے اپنے معیار اور نظام اقدار کی مدد سے ادب کا مطالعہ کیا جاتا ہے وہاں ساتھ ساتھ دائمی ادبی معیاروں سے بھی تخلیقات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔تاریخ ادب پڑھتے ہوئے یہ بات بھی محسوس ہونی چاہیے کہ جہاں مخصوص واقعات ور جحانات شخصیتوں کو جنم دے رہیں، وہاں ادبی شخصیتیں بھی واقعات ور جحانات کو جنم دے کر تاریخی دھارے کو نئی جہت دے رہی ہیں۔''[۲۶]

مذکورہ بالا تمام مواحث سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مختلف مورخین نے انفرادی طور پر

ادبی تاریخ نویسی میں جن اصولوں کو پیش نظر رکھا اگر ان اصولوں کی روشنی میں تاریخ نویسی کی جائے تو ایک عمدہ تاریخ وجود میں آسکتی ہے۔ایک ادبی مورخ کے اندر وہ تمام بنیادی شعور اور رویہ موجود ہونا چاہیے جو تاریخ نویسی کے لیے ضروری ہے۔ایک معیاری ادبی تاریخ نویسی کے لیے مندرجہ ذیل اصولوں کو اپنایا جاسکتا ہے۔

ا۔ادبی مورخین کے لیے ضروری ہے کہ ان کے اندر تاریخ نویسی کے بنیادی لوازمات سے واقفیت اور ان کے ذہنوں میں عام تاریخ اور ادبی تاریخ کا فرق مکمل طور پر واضح ہونا چاہیے انہیں تاریخ کے نظریات،تصورات اوران کی اقسام کا بھی علم ہونا چاہیے،اس کے ساتھ ساتھ مختلف مفکرین اور ماہرین علم تاریخ کے نظریات سے بھی واقفیت بے حد ضروری ہے مثلاً ابن خلدون، بیچو، کانٹ، ہرڈر، ہیگل، ٹائن بی، رسل اور ول ڈیورانٹ وغیرہ اس کے علاوہ ہندوستان کی تاریخ، جدید یورپ کی تاریخ، عالم اسلام کی تاریخ وغیرہ کا بھی مطالعہ ہونا چاہیے۔

۲۔ایک ادبی مورخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ادب کے ارتقا کے تمام پہلوؤں سے آگاہ ہو اور تمام پہلوؤں کا مجموعی طور پر احاطہ کر سکے۔

۳۔ایک معیاری ادبی تاریخ نویسی کے لیے مورخ کو کئی علوم جیسے نفسیات، سماجیات، معاشیات وغیرہ کا علم، دیگر تواریخ جو اس تاریخ کے ساتھ ساتھ چل رہی ہوتی ہیں ان کا گہرا مطالعہ اور زبان پر مضبوط پکڑ ہونا بہت ضروری ہے۔

۴۔ادبی تاریخ نویسی میں واقعات کو منطقی ربط میں بیان کرنے کے لیے فلسفہ اور منطق کا علم، تہذیب اور ثقافت کا بنیادی فرق، شخصی تجزیے کے لیے نفسیات سے واقفیت ایک ادبی مورخ کے لیے ضروری ہے۔

۵۔ادبی تاریخ نویسی کے لیے مورخ کا کام جہاں مواد اکھٹا کرنا ہے وہاں اس کے تجزیاتی مطالعہ کے لیے ان تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔اول واقعات کو روایت کرنا دوم ان واقعات کو تفصیل سے لکھنا سوم ان کا تجزیہ کرنا۔

۶۔ادبی تاریخ کو بامعنی بنانے میں سب سے اہم کردار واقعات کے بیان میں تسلسل اور ربط کا ہے جس کے ذریعہ تاریخ کی ایک کڑی دوسری کڑی سے جڑی رہتی ہے۔

۷۔ادبی مورخ جب کسی شاعر یا ادیب کی سوانحی حالات کو ترتیب دے رہا ہو تو اس شاعر یا ادیب کے عہد

کے ساتھ ساتھ اس عہد کے سیاسی، سماجی، مذہبی، اخلاقی، فلسفیانہ اور نفسیاتی افکار واقدار پر بھی نظر رکھے۔

۸۔تاریخ نویسی کے ضمن میں جہاں تک ہو سکے اولین اور بنیادی مآخذ سے رجوع کرنا چاہیے۔غیر معتبر مآخذ سے کام نہ لے اور ایسے حوالوں پر استناد واستدلال کی بنیاد نہ رکھے جو کمزور اور مشکوک ہوں۔

۹۔ادوار کی تقسیم میں مورخ کو اس دور کی اہم ادبی روشوں کو مدنظر رکھ کر کرنا چاہیے۔

۱۰۔ادبی تاریخ نگاری میں ایسا اسلوب اختیار کرنا چاہیے جو غیر جانبدارانہ اور براہ راست حقائق کو پیش کرنے والا ہو۔

۱۱۔ادبی مورخ کے لیے ضروری ہے کہ تاریخ ادب میں کم وبیش ہر بات کو حوالے اور سند کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کرے۔

۱۲۔ادبی تاریخ نگاری میں غیر جانبداری سے حالات وواقعات کو بیان کرنا چاہیے۔اس کے ساتھ ساتھ غیر جانبدار رائے دینا تحریر کا انتخاب، نتائج اخذ کرنا سوانحی قصیدہ نگاری سے بچنا، تصنیف اور مصنف دونوں پر ضرورت کے وقت بے لاگ اور بے باک تبصرہ، تعصب سے اجتناب ضروری ہے۔

۱۳۔ادبی تاریخ نگاری میں جہاں شعرا اور نثر نگاروں کو ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے وہاں ادبی تحریکیں بھی اہمیت کی حامل ہیں اس سلسلے میں یہ بات زیر غور رہنی چاہیے کہ ان تمام تحریکوں کا تذکرہ کیا جائے جنھوں نے ادب میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

۱۴۔مورخ کو مواد کی تلاش میں ایمانداری اور محنت سے کام لینا چاہیے تاکہ اغلاط کم ہوں اور بے جا طوالت کسی ادیب کے حوالے سے وہ بھی ادبی تاریخ کے لیے ناقص ہے۔

۱۵۔ادبی تاریخ نگاری میں صحیح سنین دینے پر خاص توجہ دینی چاہیے۔

۱۶۔ادبی مورخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ماضی شناس ہو ادبی مورخ جس قدر ماضی شناس ہوگا اسی قدر اس کے تاریخ کے اوراق روشن نظر آئیں گے۔

۱۷۔ادبی مورخ کو اپنے کام میں ایک متوازن رویہ اختیار کرنا چاہیے۔اس رویہ کو اپنا کر وہ اپنے کام میں حسن انتخاب کا رستہ اختیار کرتا ہے، اور حسن انتخاب سے اس کے ہاں حسن نظر پیدا ہوتا ہے۔یہ حسن نظر ہی ہے جو ادبی تاریخ جیسے خشک شے کو مطالعہ کے لائق بناتا ہے۔

۱۸۔ادبی تاریخ نگاری میں ادب کے ادوار کی خصوصیات کو بیان کرنے کا تصور اب پرانا ہو چکا ہے

ادبی تاریخ کو سیاسی اور تہذیبی تاریخ کے مختلف دھاروں کے بہاؤ میں رکھ کر بھی دیکھنا چاہیے۔

مندرجہ بالا اصلوں کو پیش نظر رکھ کر ادبی تاریخ نویسی کے کام کو بہتر طریقہ سے انجام دیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ اصول بھی حرف آخر نہیں ہیں زمانے کے ساتھ ساتھ چیزیں بدلیں گی روایات تبدیل ہوں گے سہولتیں حاصل ہوگی تو ان میں بھی تبدیلی ہوگی۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ تاریخ جیسے اہم موضوع کے لیے آج تک ایسے کوئی اصول مرتب کرنے کی کوشش نہیں کی گئی جن کی روشنی میں ادبی تاریخ کو سائنٹفک انداز میں مرتب کیا جا سکے۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ادبی تاریخ کے اصول وضوابط تحقیقی کی روشنی میں مرتب کیے جائیں جس سے نہ صرف ادبی تاریخ کا معیار بلند ہوگا بلکہ تاریخ کے طالب علموں اور تاریخ نویسی سے متعلق کام کرنے والوں میں ادبی تاریخ کے حوالے سے ایک نئی آگاہی کو فروغ ملے گا اور وہ ادبی تاریخ کو محض شاعروں اور ادیبوں کی ترتیب وار سوانحی حالات یا دبستان ہائے دہلی یا لکھنؤ سے بڑھ کر جاننے کی کوشش کریں گے ساتھ ہی ساتھ ان کے اندر یہ صلاحیت بھی پیدا ہو جائے گی کہ وہ ادبی تاریخ کو کس طرح سے عالمی تاریخ کے حصے کے طور پر پیش کریں۔

☆☆☆

حوالہ جات:

۱۔ڈاکٹر سید عامر سہیل، نسیم عباس احمر (مرتبین) ادبی تاریخ نویسی، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور۔۲۰۱۰ء، ص ۷

۲۔مولانا محمد حسین آزاد، آب حیات، کتابی دنیا، دہلی۔۲۰۲۰ء، ص ۱۴

۳۔ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔۲۰۱۹، ص ۷

۴۔ایضاً، ص ۹

۵۔بحوالہ منزہ منور سلہری، اردو کے ادبی تاریخ کے اصول وضوابط، مشمولہ نور تحقیق (شمارہ نمبر ۲۰) شعبہ اردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور، ص ۳۴

۶۔ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، (جلد دوم)، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔۲۰۱۹، ص ۸

۷۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری، ادبی تاریخ کی تشکیل نو کے مسائل، مشمولہ تخلیق ادب، نیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد ۲۰۰۶ء، ص ۱۶

۸۔حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو، لکشمی نراین اگروال تاجر کتب، آگرہ (دوسرا ایڈیشن) ۱۹۵۷ء، ص پیش لفظ

۹۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری، اردو ادب کی تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔۲۰۰۳ء، ص ۱۳

۱۰۔ڈاکٹر محمد حسن ،ادبی تاریخ نویسی ،مرتبین (ڈاکٹر سید عامر سہیل ،نسیم عباس احمر) مشمولہ مضمون، تاریخ ادب کی تدریس، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور۔۲۰۱۰ء،ص ۱۵۳

11.Tanvir Anjum, Temporal Divides: A Critical Review of Majour Periodization Schemes inIndian History, Journal of Social Sciences, GCU, Faisalabad,Vol.1,No.1,July 2004,Page No.32.

۱۲۔سلمان احمد، اردو کی ادبی تاریخیں: نظری مباحث، قصر الادب، حیدرآباد۔۱۹۹۹ء،ص ۳۷

۱۳۔ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، (جلد دوم)، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔۲۰۱۹،ص ۹

۱۴۔عبدالقادر سروری، اردو کی ادبی تاریخ، حیدرآباد۔۱۹۵۸،ص ۶۔۵

۱۵۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اردو کی ادبی تاریخ کا بنیادی مواد اور ڈاکٹر مولوی عبدالحق، مشمولہ: ماہ نامہ قومی زبان، کراچی۔اگست ۲۰۰۲ء،ص ۲۴

۱۶۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری، ادبی تاریخ کے تشکیل نو کے مسائل، مشمولہ تخلیق ادب، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔جنوری ۲۰۰۸ء،ص ۱۱

۱۷۔ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔۲۰۱۹،ص ۸

۱۸۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری، ادبی تاریخ کے تشکیل نو کے مسائل، مشمولہ: ادبی تاریخ نویسی، مرتبین: ڈاکٹر سید عامر سہیل، اور نسیم عباس احمر، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور۔۲۰۱۰ء،ص ۶۲

۱۹۔حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو، لکشمی نراین اگروال تاجر کتب، آگرہ دوسرا ایڈیشن۔۱۹۵۷ء

۲۰۔ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔۲۰۱۹،ص ۸۔۷

۲۱۔مرزا سلیم بیگ، تحقیق، شعبہ جاتی تحقیقی مجلّہ، شمارہ نمبر ۳، شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔اکتوبر ۱۹۸۹ء،ص ۱۷۲

۲۲۔ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔۲۰۱۹،ص ۸۔۷

۲۳۔پروفیسر اختر وقار عظیم، شبلی بحیثیت مورخ، ابلاغ پبلشرز، اردو بازار، لاہور،ص ۲۲

۲۴۔جم شارپ، نیچے سے ابھرتی تاریخ، ڈاکٹر مبارک علی، مترجم۔مجلّہ تاریخ، فکشن ہاؤس، لاہور۔۱۹۹۹ء،ص ۲۰

۲۵۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری، اردو ادب کی تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔۲۰۰۳ء،ص ۱۱

۲۶۔ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔۲۰۱۹،ص ۸